DR. ABID RAZA BEDAR
KATRA, RAMPUR - 244901 (U.P.)

Date of Publication : 02-06-2015 PRICE Rs. 3/-

POSTED AT N.D.P.S.O, New Delhi-01
ON 03-04 JUNE 2015, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2015-17
Licensed to Post Without PrepaymentU (C) 160/2015-17

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

8-14 JUNE 2015
Issue: 22, Vol.: 74

۸تا۱۴رجون ۲۰۱۵ء
شمارہ نمبر: ۲۲، جلد نمبر: ۷۴

محاوراتِ غالب

ضیاء احمد بدایونی

ایک ادبی شاہکار کو جانچنے کے لیے مواد و ہیئت دونوں کو پرکھنا ضروری ہے۔ مواد روح ہے اور ہیئت جسم اور زندگی روح و جسم دونوں کے تعاون سے عبارت ہے، بلکہ سچ پوچھیے تو ادب کے لیے ہیئت کی حیثیت مقدم ہے اور مواد کی ثانوی۔ پوپ نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ "اسلوب خیال کا لباس ہے"۔ کارلائل نے اس حقیقت کو زیادہ صحت کے ساتھ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ "اسلوب کسی ادیب کا کوٹ نہیں ہے کہ جب چاہا اتارا اور جب چاہا پہن لیا۔ یہ اس کی جلد ہے۔" دراصل یہ تفریق و تقسیم بھی مسئلے کی توضیح اور تجزیے کی سہولت کے پیش نظر کی گئی ہے ورنہ جہاں تک ادب و شعر کا تعلق ہے، ادیب و شاعر کے ذہنی عمل میں اور نیز اس کی خارجی تشکیل میں مواد و ہیئت ایک وحدت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسلوب جو ہیئت کا دوسرا نام ہے، ایک فنکار کی شخصیت کے متعین کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ خیال ہمارے ناقدین کی طرف سے بار بار دہرایا گیا ہے، ہمیں اس سے انکار نہیں لیکن اگر ہم اس کی حدود کو پیش نظر رکھے بغیر اس کو بے کم و کاست تسلیم کرلیں تو یہ گمراہی کا سبب ہوسکتا ہے کیوں کہ ادیب و شاعر کا رول ایک مصور کا سا ہے، جس طرح مصور کبھی بالقصد اور کبھی وسائل کے فقدان کی مجبوری سے تصویر کے گرد و پیش کے مناظر کو کسی جگہ نمایاں اور کسی جگہ دھندلا کرکے دکھاتا ہے، ادیب یا شاعر بھی ہمیشہ ایک صداقت کو بہ تمام پیش نہیں کرتا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بجائے خطوط جو اس نے کھینچے ہیں وہ خود چھوٹے ہوئے خطوط کو سجھانے (suggest کرنے) میں مدد دیتے ہیں۔ جو چیز اسلوب کے بارے میں بیان کی گئی وہی پوری شاعری یا پورے ادب پر بھی صادق آتی ہے، جیسا کہ پروفیسر آل احمد سرور نے ایک جگہ کہا ہے: "کہا جاتا ہے کہ شاعری شخصیت کا آئینہ ہے۔ یہ قول نہایت گمراہ کن ہے۔ جس طرح آئینے میں کسی شخص کا عکس نظر آجاتا ہے اس طرح شخصیت کا عکس شاعری میں نظر نہیں آتا۔ نہ شخصیت اتنی سادہ اور واضح شے ہے اور نہ شاعری اتنی شفاف اور ہموار سطح رکھتی ہے کہ ہمیں شاعر کی شخصیت اس کے کلام میں بجنسہٖ نظر آئے۔ شخصیت شاعری میں ضرور جھلکتی ہے مگر اس پر شاعری کے مخصوص اظہار اور فن کے تقاضوں کا پردہ ہوتا ہے۔"

ان تمام حد بندیوں کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک بڑے فنکار (ادیب یا شاعر) کے یہاں اسلوب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسلوب دراصل ایک طرح کی علامت ہے جو اپنے خالق کی طرف کم و بیش اشارہ کر ہی دیتی ہے۔ جب ہم فردوسی و نظامی، انوری و خاقانی، سعدی و حافظ یا میر و سودا، ذوق و مومن، داغ و امیر وغیرہ کا کلام سن کر کہتے ہیں کہ اس میں ان کا خاص رنگ ہے یا نہیں، تو اسی حقیقت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

اسلوب کے اجزائے ترکیبی کیا ہوتے ہیں، اس کا جواب بہت مشکل ہے۔ اول تو ہر فنکار کا اسلوب جدا ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی ایسا عنصر نہیں جس کو دیکھ کر اس کے اجزا کی الگ الگ نشان دہی کی جاسکے۔ سائنس کی دنیا میں تو ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک مرکب کو آلات کی مدد سے جانچ کر اس کے اجزا کی نشان دہی کردیں، مگر ذہنی یا روحانی فضا میں یہ آلات کام نہیں دیتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصل خیال یا جذبے کے علاوہ ہر چیز، زبان، بیان، تراکیب، روزمرہ، محاورہ، تمثیل، تشبیہ، استعارہ، بحر، اسلوب کے تحت آجاتی ہے، پھر بھی ہر فنکار کا انداز (mode) ایسی چیز ہے جس کا تجزیہ کلیتاً دشوار ہے۔

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست۔

یہ دوسری بات ہے کہ اس کے علائم اور آثار کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے سچ کہا ہے کہ "لسانیات کے باب میں تحلیل اور تجزیے کے وہ اصول عہدہ برآ نہیں ہوسکتے جو طبعیات و مادیات پر حاوی ہیں۔ زبان سالمات و سالبات کے قوانین سے مبرا ہے۔" پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے اسی بحث کو دوسرے پہلو سے زیادہ واشگاف طور پر پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "ادب اور زبان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہر ادبی کارنامے خصوصاً شاعری کے میدان میں آخری تجزیے میں دراصل زبان ہی عہدہ برآ ہونے کا ایک وسیلہ ہے۔ تخلیقی عمل میں الفاظ کو اضافی یا آرائشی چیز سمجھنا یا انھیں ایک منفعل (passive) وظیفے کا حامل سمجھنا صریح غلطی ہے کیوں کہ الفاظ ہی کی وساطت سے خیالات و جذبات کے مرکب (complex) کی واگذاشت عمل میں آتی ہے اور اسی کی مدد سے عام تجربہ گہرائی اور معنی خیزی حاصل کرتا ہے۔" بقول فراق: "غزل کے اشعار میں بسا اوقات ایک لفظ یا دو تین لفظوں کا ٹکڑا جادو کا حکم رکھتا ہے اور سہل ممتنع کے کئی مدارج ایک (بظاہر) معمولی لفظ یا ٹکڑے سے طے ہوجاتے ہیں۔" غرض زبان و بیان کی سحر طرازی سے کوئی بڑے سے بڑا نابغہ (genius) بے نیاز یا کوئی سخت سے سخت ناقد منکر نہیں ہوسکتا۔ آج کی صحبت میں ہم چاہتے ہیں کہ مرزا غالب کے اردو کلام میں جو محاورات استعمال ہوئے ہیں، ان کی انفرادیت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں۔

محاورہ یوں تو گفتگو یا بات چیت کے معنی دیتا ہے لیکن زبان داں اصحاب کی اصطلاح میں جب ایک یا کئی لفظ مصدر سے مل کر حقیقی معنی سے متجاوز ہوکر کچھ دوسرے معنی دیں تو اس کو محاورہ کہتے ہیں۔ مثلاً 'اتارنا' از روئے لغت کسی چیز کو اوپر سے نیچے لانا ہے، مگر جب ہم احسان اتارنا، نقل اتارنا، تصویر اتارنا بولتے ہیں تو محاورہ بن جاتا ہے۔ غالب فارسی زبان کے ساتھ اردو پر بھی کامل قدرت رکھتے تھے۔ انھوں نے بہ کثرت محاورے برتے ہیں جن میں سے کچھ پہلے سے زبان میں متعارف تھے اور کچھ انھوں نے خود فارسی سے ترجمے کے ذریعے سے اخذ کیے۔ اگرچہ محاورے میں تصرف یا ترجمہ جائز نہیں مگر ان کو اپنے اجتہادات پر اصرار تھا۔ اس کی دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں: ایک تو یہ کہ ان کی آزاد طبعی ادب و زبان میں قیود اور حدود کی قائل نہ تھی۔ دوسرے وہ جانتے تھے کہ اردو کے مقابلے میں فارسی ایک ترقی یافتہ زبان ہے، جس میں مختلف مطالب کو ادا کرنے کے لیے بنے بنائے پیمانے موجود ہیں۔ ان پیمانوں میں حسن بھی ہے، ایجاز بھی۔ اس لیے شاعر کا فرض ہے کہ یا تو ان کو جوں کا توں استعمال کرے یا ان کا ترجمہ دے دے۔ چناں چہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ یقیناً زبان کی توسیع کی طرف ایک مبارک قدم تھا لیکن جب تک عوامی چلن زبان کی پشت پر نہ ہو اس کا چلنا اور رواج پانا بہت مشکل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس قسم کے ترجمے کم مقبول ہوئے۔ ذیل کی مثالوں سے ان کے استعمال کردہ محاورات کی نوعیت ظاہر ہوگی:

جوئے شیر لانا: کوئی بڑا کٹھن کام انجام دینا۔ فرہاد کی کوہ کنی کی طرف اشارہ ہے۔

غالب کہتے ہیں:

کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

دام شنیدن بچھانا: سننے کی تدبیر یا کوشش کرنا۔ سننے کو جال قرار دیا ہے، جس سے مدعا یا مضمون گرفت میں آسکتا ہے:

آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

بروئے کار آنا: میدان میں آنا:

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا مگر بہ تنگی چشم حسود تھا

نقش درست کرنا: نقش قائم کرنا۔ درست کردن نقش فارسی میں بولتے ہیں:

خستگی نے نقش سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

مدعا پانا: مراد پانا۔ مگر غالب کے شعر میں مدعا پانا بات کی تہ کو پہنچنا کے معنی میں آیا ہے:

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجیے ہم نے مدعا پایا

مرغوب آنا: مرغوب ہونا:

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا
تماشائے بہ یک کف بردن صد دل پسند آیا

دانت میں تنکا لینا: خس بہ دنداں گرفتن کا ترجمہ ہے اور فارسی دانان ہند کی ایجاد ہے۔ ہندستان میں قاعدہ تھا کہ جو شخص مغلوب ہوتا وہ غالب کے سامنے دانت میں تنکا دبا کر حاضر ہوتا یعنی ہم تمہاری گئو (گائے) ہیں۔ یہ اظہار عجز کا طریقہ تھا:

نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

تماشا کرنا: یعنی دیکھنا۔ تماشا کردن سے ماخوذ ہے، ورنہ اردو میں تماشا کرنا بازی گروں کا کام ہے:

اگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ، ویرانی تماشا کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

لہو پانی ہونا: انتہائی اذیت اٹھانا:

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

صرفہ ہونا: نفع ہونا، بچت ہونا:

صرفہ ہے ضبط آہ میں میرا وگرنہ میں
طعمہ ہوں ایک ہی نفس جاں گداز کا

اسی طرح مرزا نے "کھلنا" مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال کیا ہے۔ یعنی وا ہونا، بے تکلف ہونا، زیب دینا وغیرہ۔

گلستاں ہونا: پھولنا، پھلنا:

لے گئے خاک میں ہم داغ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بہ صد رنگ گلستاں ہونا

بہ باد دینا: (بہ باد دادن) برباد کرنا:

نالۂ دل نے دیے اوراق لخت دل بہ باد
یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

جگر تشنۂ فریاد آنا: فریاد کا مشتاق ہونا۔ جگر تشنہ بمعنی مشتاق:

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

جاں در ہوائے یک نگہ گرم ہونا: کسی کا (معشوق کا) ایک نگاہ لطف کا آرزو مند ہونا:

جاں در ہوائے یک نگہ گرم ہے اسد
پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

دنداں کا رزق کرنا: (انگلی کو) دانتوں سے کتروانا افسوس کے طور پر:

افسوس کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی در خور عقد گہر انگشت

انگشت دکھلانا: شوخی سے انگوٹھا دکھانا:

کافی ہے نشانی ترا چھلے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بہ وقت سفر انگشت

انگشت رکھنا: اعتراض کرنا، نکتہ چینی کرنا:

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

نفس کھینچنا: سانس لینا۔ نفس کشیدن کا ترجمہ ہے۔ اسی طرح انتظار کھینچنا۔ انتظار کرنا جو فارسی میں انتظار کشیدن تھا:

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

علی ہٰذا ناز کھینچنا (اسی قبیل سے ہے خمیازہ کھینچنا [انگڑائی لینا] منت کھینچنا [احسان اٹھانا]) حالاں کہ اردو محاورہ ناز اٹھانا ہے۔ سب سے پُر لطف کباب دل سمندر کھینچنا ہے جس سے مراد دستر خوان پر سمندر، (بہ معنی پتھر میں پلنے والا کیڑا) کے دل کے کباب چننا ہے۔ یہ ان محاورات میں ہے جن کو اردو مطلق ہضم نہیں کر سکتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بعض لوگ انگریزی کی تقلید میں کہہ دیتے ہیں کہ میں نے چائے لے لی۔ میں نے دوا لے لی، یعنی پی لی:

مرے قدح میں ہے صہبائے آتش پنہاں
بروئے سفرہ کباب دل سمندر کھینچ

سفیدی پھرنا: دیوار وغیرہ پر سفیدی کرنا:

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

آئینہ باندھنا: آئینہ لگانا یا نصب کرنا:

بہ رنگ کاغذ آتش زدہ نیرنگ بے تابی
ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال یک تپیدن پر

تسلی ہونا: بمعنی تسلی پانا۔ فارسی میں تسلی شدن مستعمل ہے۔ صائب لکھتا ہے:

ز حسن شوخ تسلی مشو بہ دیدن خشک
گلے کہ می رود از دست از گلاب بگیر

اس سے گلاب گیری کی ترکیب وجود میں آئی۔ اس کے لیے کاشان کا علاقہ بہت معروف ہے۔

جگر تشنۂ آزار، تسلی نہ ہوا
جوئے خوں ہم نے بہائی بن ہر خار کے پاس

آتش لگانا: آگ لگانا کے معنی پہ اردو میں رائج نہیں۔ مگر غالب کہتے ہیں:

نہ لیوے گر خس جوہر طراوت سبزۂ خط سے
لگاوے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

ارزانی رہنا: مبارک ہونا۔ یہ بھی فارسی کا اثر ہے:

تجھ کو ارزانی رہے تجھ کو مبارک ہوجیو
نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک

سر ہونا: پیچھے پڑ جانا۔ نیز رسائی ہونا (ہم سر ہونے کے قیاس پر):

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

عہدے سے باہر ہونا: اردو میں عہدہ برآ ہونا مستعمل ہے:

عہدے سے مدح ناز کے باہر نہ آسکا
گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں

پاؤں میں چکر ہونا: آوارہ گردی کی عادت ہونا:

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

دریغ آنا: کسی کام میں تامل ہونا:

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

آگے والے اشعار میں باندھنا مختلف مفاہیم کا فائدہ دیتا ہے مثلاً نظم میں کوئی مضمون استعمال کرنا نیز شہرت دینا۔ دھوم مچانا جیسے:

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں

ہماری زبان میں مہندی (یا حنا) لگانا بولا جاتا ہے، مگر فارسی میں حنا بستن برابر آتا ہے۔ نقی نے لکھا ہے:

جلوۂ حسن تو آورد مرا بر سر قہر
تو حنا بستی و من معنی رنگیں بستم

غالب بھلا کیوں کر نہ لکھتے:

اہل تدبیر کی واماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

پیماں باندھنا بھی اردو میں کم آتا ہے، عہد و پیماں کرنا عموماً استعمال میں ہے۔ مگر غالب کہتے ہیں:

سادہ پُرکار ہیں خوباں غالب
ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

پرافشاں ہونا: پھڑ پھڑانا، مضطرب ہونا:

ہوئے اس مہر وش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پرافشاں جوہر آئینے میں مثل ذرہ روزن میں

منت اٹھانا: احسان اٹھانا:

ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق
یعنی ہنوز منت طفلاں اٹھائیے

طرف ہونا: مقابل ہونا، حریف ہونا۔ فارسی میں رائج ہے، صائب کہتے ہیں:

کار مرداں نیست با نامرد گردیدن طرف
ورنہ دستم از گریبان فلک کوتاہ نیست

اردو کے اساتذہ کے یہاں بھی ملتا ہے۔

سودا:

سودا تو اس زمیں میں غزل در غزل ہی لکھ
ہونا ہے تجھ کو میر سے استاد کی طرف

اس کے مقابلے میں میر کی بددماغی بھی ملاحظہ فرمائیے:

طرف ہونا مرا مشکل ہے میر اس شعر کے فن میں
یونہی سودا کبھی ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے

غالب نے بھی ایک شعر میں یہ محاورہ برتا ہے:

رندان در میکدہ گستاخ ہیں زاہد
زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

اجارہ کرنا: ذمہ داری قبول کرنا:

غالب ترا احوال سنا دیں گے ہم ان کو
وہ سن کے بلا لیں یہ اجارہ نہیں کرتے

جا گرم کرنا: جا گرم کردن کا ترجمہ ہے۔ یعنی قرار پکڑنا اردو میں یہ محاورہ نہیں چلا۔ مگر غالب نے لکھا ہے:

کی اس نے گرم سینۂ اہل ہوس میں جا
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

کھویا جانا: (حیران ہونا) اور پا جانا (سمجھ جانا) اچھے محاورے ہیں جو بہت برمحل صرف ہوئے ہیں۔ ایہام تضاد بھی بے ساختہ آگیا ہے:

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

دل بیٹھنا: متعارف محاورہ تھا، مگر مرزا نے فارسی کے محاورے نقش نشستن (اعتبار پیدا کرنا) سے نقش بیٹھنا بھی مستعار لیا اور پورے بندوبست کے لیے استعمال کیا:

اس کی بزم آرائیاں سن کر دل رنجور یاں
مثل نقش مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

رنگ کھلنا: رنگ صاف ہونا۔ رنگ اڑنا۔ رنگ فق ہونا۔ منہ اتر جانا:

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

نقش: (تصویر) کے لیے دو فعل متعدی اور لازم کھینچنا اور کھنچنا ایک شعر میں لائے ہیں۔ پہلا تصویر کشی کے اور دوسرا غرور و ناز کے مفہوم میں اور دونوں پُر لطف ہیں:

نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

گل کترنا: (گل تراشیدن)

دیکھو تو دل فریبی انداز نقش پا
موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

تقریر کرنا: کلام کرنا:

کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر
اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے

جگر کھودنا: کلیجہ چھیلنا یا زخمی کرنا، جس کو فارسی والے جگر کاویدن کہتے ہیں:

پھر جگر کھودنے لگا ناخن
آمد فصل لالہ کاری ہے

گفتار میں آنا: بہ گفتار آمدن سے لیا ہے، مگر اردو نے اسے اب تک قبول نہیں کیا ہے:

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آئے
جاں کالبد صورت دیوار میں آئے

مستی جھاڑنا: مستی نکال دینا۔ دور کر دینا:

غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے

آگے آنا: بدلا ملنا:

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے
تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بہ خم آگے

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

چل نکلنا: ہنگامہ برپا کرنا:

میں انھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں
چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

دن پھرنا: قسمت کا موافق ہونا۔ مشہور اور متعارف محاورہ ہے:

شاہ کے ہے غسل صحت کی خبر
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

پہلو تہی کرنا: بے اعتنائی کرنا، جا خالی ہونا۔ کسی غیر حاضر شخص کی موجودگی کا پسندیدہ ہونا۔ اس موقعے پر اہل ایران کہتے ہیں، جائے فلاں خالی است یا سبز است یا پیداست:

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجیے تو جا میری بھی خالی ہے

خوش آنا: بھانا:

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے
ہر غنچے کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

پشت گرمی دینا: تقویت پہنچانا:

سیماب پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم
حیراں کیے ہوئے ہیں دل بے قرار کے

پیچھے کھینچنے کے محاورے نے نادر کشش کی:

صحبت رنداں سے واجب ہے حذر
جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیے

اگلے شعر میں کھنچا جانا اور کھنچ بمعنی سزا

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

یادِ رفتگاں

منشاء الرحمٰن خاں منشا

کچھ یادیں

محمد اظہر حیات

کشادہ پیشانی، بارِیش مسکراتا چہرہ، صحت مند جسم، متوسط قامت اور اس پر چوڑی دار پاجامہ، شیروانی اور ٹوپی پہنے ناگپور میں کوئی نظر آتا تو ہم دور سے ہی پہچان جاتے کہ یہ منشا صاحب ہوں گے۔ وہ محفلوں میں فقرے چست کرتے، ادبی مذاق کا لطف اٹھاتے اور خاص و عام کو مخاطب کرتے محفل کی جان نظر آتے۔

منشا صاحب ایک اچھے استاد، پُرگو شاعر، اچھے نثر نگار، ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی، نیک دل و خوش گفتار انسان تھے۔ وہ رواداری، بلند اخلاقی اور اعلا ظرفی کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ انھوں نے باغ و بہار طبیعت پائی تھی، ان کے دم سے ناگپور ہی نہیں وسطِ ہند میں ایک رونق اور بہار تھی وہ آخر عمر تک خدمتِ علم و ادب میں سرگرم رہے۔ اردو تہذیب ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔

27 مئی 2010 کی صبح جب یہ خبر ملی کہ استادِ محترم منشاء الرحمٰن خاں منشا نے اس دنیا سے آنکھیں موند لیں اور سفرِ آخرت اختیار کرلیا ہے تو یوں لگا گویا آسمانِ علم و ادب کا ایک تابندہ ستارہ چمکتے چمکتے اچانک ڈوب گیا ہو اور ناگپور کی علمی و ادبی فضا میں گھپ اندھیرا چھا گیا ہو۔

منشا صاحب کا پورا نام محمد منشاء الرحمٰن خاں تھا۔ ان کی ولادت یکم مئی 1924 کو ضلع بلڈانہ میں کھام گاؤں تعلقہ کے ایک گاؤں چیکل گاؤں راجہ میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام محمد علیم اللہ خاں تھا۔ منشا صاحب کو رواج کے مطابق عربی و فارسی کی تعلیم گھر میں دی گئی اس کے بعد مڈل و ہائی اسکول کی تعلیم انھوں نے انجمن اسکول کھام گاؤں سے مکمل کی اور اسی اسکول میں بہ حیثیت معلم منسلک ہوگئے۔ دورانِ ملازمت ناگپور یونیورسٹی سے بی اے، ایم اے اردو اور ایم اے فارسی کی ڈگریاں یکے بعد دیگرے حاصل کیں۔ خوب سے خوب تر کی جستجو میں وہ ناگپور تشریف لائے اور یہاں گورنمنٹ مارس کالج میں 1956 میں شعبۂ اردو، فارسی میں لکچرر مقرر ہوئے۔ دورانِ ملازمت 1971 میں انھوں نے ناگپور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ 1982 میں منشا صاحب اردو و فارسی کے صدرِ شعبہ کی حیثیت سے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ اس دوران وہ اردو دنیا میں بہ حیثیت شاعر و ادیب مشہور ہوچکے تھے۔ ہندستان کے معیاری رسائل و جرائد میں ان کی تخلیقات احترام سے شائع ہوتی تھیں۔ کشمیر سے کنیا کماری تک مشاعروں میں عزت و اکرام سے مدعو کیے جاتے تھے۔ وہ علاقۂ ودربھ کی بھرپور نمائندگی کرتے تھے۔ کئی مرتبہ لال قلعہ میں منعقد مشاعرے میں شرکت منشا صاحب کی مقبولیت کی معراج تھی۔ وہ اس اعزاز و اکرام پر اللہ کا شکر بھی ادا کرتے تھے:

اچھے اچھوں کو بھی منشاؔ جو نہیں مل سکتے
ہم نے پائے ہیں وہ اعزاز مقدّر بن کر

منشا صاحب میں خاکساری و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے مشاعرے میں بھی تزک و احتشام سے شرکت کرتے تھے بلکہ ان کی شرکت سے محفل پُر وقار معلوم ہوتی تھی۔ لوگ بھی ان کی موجودگی سے مسرت و خوشی محسوس کرتے تھے۔ محفل میں وہ کسی کو نظر انداز نہیں کرتے تھے بلکہ ہر خاص و عام سے یکساں طور پر خلوص سے ملتے تھے۔ وہ بڑے بڑے مشاعروں میں کسی بھی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے بلکہ وہاں بھی مرکزِ نظر ہوتے۔ ایک مرتبہ آپ ٹی وی کے مشاعرے میں شریک تھے جو نیشنل لیول پر دکھایا جارہا تھا، علی سردار جعفری مشاعرے کی صدارت فرما رہے تھے، منشا صاحب نے غزل پڑھی، ہر شعر پر خوب داد حاصل کی، مقطع پڑھا:

اتنے سارے فنکاروں کو یار تم نے کیوں بلوایا
آپ کی محفل گرمانے کو آپ کا منشاؔ کافی ہے

علی سردار جعفری نے فوراً ٹوکا، 'منشا' مونث ہے اس لیے اسے یوں کہیے "آپ کی محفل گرمانے کو آپ کی منشا کافی ہے"۔ منشا صاحب نے سینہ تان کر کہا "حضور یہ ہے آپ کا منشا کافی ہے" ساری محفل زعفران زار بن گئی۔ منشا صاحب نے مقطع دوبارہ پڑھا حاضرین نے ٹوٹ کر داد دی۔ یہ منظر سارے ہندستان نے ٹی وی پر دیکھا۔ منشا صاحب مشاعرے کے مقبول ترین شاعر تھے۔ انھوں نے عوام کے دلوں میں جگہ بنائی تھی۔ ناگپور کی ایک بستی میں جب ایک شخص نے اپنے بچے کا نام 'منشاء الرحمٰن' پکارا تو میں چونک گیا۔ کہا یہ نام تو ایک بزرگ شاعر کا نام ہے، تم نے اپنے بچے کا نام کیوں رکھ دیا؟ اس پر اس شخص نے کہا میں نے بھی اپنے بچے کا نام ان کے نام پر ہی رکھا ہے۔ جس دن بچے کی پیدائش ہوئی تھی اسی دن منشا صاحب کی صدارت میں ہماری بستی میں مشاعرہ تھا جس میں نے اپنے بچے کا نام منشاء الرحمٰن رکھ دیا۔ مجھے بے ساختہ احمد فراز کا شعر یاد آگیا:

اور فراز چاہیے کتنی محبتیں تجھے
ماؤں نے تیرے نام پر بچوں کے نام رکھ دیے

منشا صاحب کو میں کب سے جانتا ہوں شاید اس کا تعین نہ کرپاؤں مگر 1972 میں مارس کالج میں جب میں نے بی اے اول میں داخلہ لیا تو ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ کلاس روم میں ان سے میر، غالب اور اقبال کو پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اردو کاز کے لیے وہ ہمہ وقت فعال رہے۔ جب بھی کوئی نامور شاعر یا ادیب ناگپور تشریف لاتے منشا صاحب طلبہ سے ملوانے انھیں کالج میں لے آتے۔ ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر ظ۔ انصاری، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، یوسف ناظم اور ندا فاضلی کو پہلے پہل میں نے یہیں دیکھا اور سنا۔ مقامی شعرا و ادبا بھی اس بہانے مدعو کیے جاتے۔ اس طرح کالج میں خوب خوب ادبی چہل پہل ہوتی اور منشا صاحب طلبہ و طالبات میں ادبی ذوق کی آبیاری کرتے۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد بھی منشا صاحب شہر میں پہلے سے زیادہ سرگرم نظر آتے، وہ اکثر کہتے ہم ریٹائر ہوئے ہیں ٹائرڈ نہیں۔

1980 میں جب میرا تقرر سعودی عرب میں ہوا اور میں حضرت سے ملاقات کرنے گیا تو بے انتہا خوشی کا اظہار فرمایا اور میری ضیافت کی۔ آخر میں رخصت کی اجازت طلب کی تو بیٹھک کے صدر دروازے تک آئے اور میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا میاں، جاؤ اور ہمارا یہ شعر زادِ راہ کے طور پر لے جاؤ اور پھر یہ شعر عنایت فرمایا:

راستوں کی دشواری، منزلوں کے سناٹے
ہیں تمام اندیشے اک قدم بڑھانے تک

1985 میں منشا صاحب حجِ بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے گئے تھے۔ اس وقت میں بھی بہ فضلِ ربی عمرہ پر گیا تھا۔ میں وہ لمحہ شاید زندگی میں کبھی نہ بھلا پاؤں جب مسجدِ نبوی سے باہر آتے ہوئے میری نظر استادِ محترم منشا صاحب پر اور ان کی نظر مجھ ناچیز پر پڑی، منشا صاحب نے ٹوٹ کر مجھے گلے لگالیا۔ پردیس میں ہم وطن سے ملاقات پر خوشی کا عالم کتابوں میں پڑھا تھا مگر جب میں نے بہ نفسِ نفیس اس کا لطف اٹھایا تو خوشی سے سرشار ہوگیا۔ استادِ محترم کی گرم جوشی اور پُر خلوص حرارت میں آج بھی اپنے سینے میں محسوس کرتا ہوں۔

منشا صاحب میں اعلا ظرفی اور بلند اخلاقی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ اپنے سخت مخالفین کو بھی اپنی خوش مزاجی اور اعلا ظرفی سے زیر کردیتے تھے۔ وہ شر میں خیر کا پہلو آسانی سے تلاش لیتے تھے۔ ان کا رویہ ہمیشہ مثبت ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے ایک شاگرد نے ان پر ایک سخت تنقیدی مضمون لکھا جو ایک روزنامے میں شائع ہوا۔ میں نے اس کا ذکر کیا تو کہنے لگے ہاں بابا! ہم نے بھی اسے پڑھا ہے۔ اس میں نشتریت ضرور ہے مگر اس کی زبان بڑی سلیس اور معیاری ہے۔ اس کا تذکرہ جب میں نے اس سعادت مند شاگرد سے کیا تو انھوں نے کہا دراصل منشا صاحب کا ظرف اعلا تھا اور وہ مخالفت اور اختلاف کے باریک فرق کو خوب سمجھتے تھے۔

منشا صاحب کا پہلا شعری مجموعہ 'آہنگِ حیات' 1960 میں شائع ہوا۔ رسید کے طور پر نائب صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین نے یہ کہہ کر داد دی کہ "منشا صاحب آپ خوب کہتے ہیں"۔ اس مجموعے کے بعد 1963 میں 'نوائے دل' کے عنوان سے غزلیات و قطعات کا مجموعہ منظرِ عام پر آیا۔ ذکرِ خوباں نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ 1965 میں شائع ہوا۔

تضمین اردو شاعری کی ایک مشکل صنف ہے، منشا صاحب اس فن میں بھی طاق تھے۔ انھوں نے علامہ اقبال کے کلام پر خوب تضمینات کہی ہیں جو 1975 میں 'آئینۂ اقبال' کے نام سے شائع ہوئی۔ پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ کتابی شکل میں دو حصوں میں شائع ہوا۔ نظموں اور غزلوں کا مجموعہ 'عکسِ دوراں'، بامقصد غزلوں کا مجموعہ 'امروز'، نعتوں کا مجموعہ 'سراجاً منیرا'، مرثیہ نما نظموں کا مجموعہ 'چراغوں کی دھرتی' اور تہنیتی نظموں کا مجموعہ 'ستاروں کا آنگن' کے علاوہ 'اردو زباں ہماری' تنقیدی مضامین اور 'پیشِ لفظ' کے تحت تاثراتی مضامین کا مجموعہ 'حرف حرف آئینہ' منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ 2013 میں نعتوں کا ایک مجموعہ 'چراغِ حرم' بھی شائع ہوچکا ہے۔ اس طرح شعری و نثری تصانیف کی کل تعداد

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

اردو دُنیا

یوپی میں سیکنڈری بورڈ کے امتحانات کے سوال نامے
اردو میں بھی ہوں گے

لکھنؤ (۹ مئی)۔ ریاست کی دوسری سرکاری زبان اردو کے فروغ کے لیے آئندہ تعلیمی سال سے سیکنڈری بورڈ کے امتحانات کے سوال نامے اردو زبان میں بھی تحریر کیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ اترپردیش سرکار نے ریاست کے تمام ماڈل اسکولوں کو کم سے کم ایک اردو اخبار منگوانے کا بھی حکم دیا ہے۔

ثانوی تعلیم کے وزیر محبوب علی نے بتایا کہ سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ اب آئندہ تعلیمی سال سے بورڈ کے امتحانات کے سوال نامے اردو زبان میں بھی چھپوائے گا۔ ابھی تک ہندی اور انگریزی زبانوں میں ہی سوال نامے دیے جاتے تھے لیکن اب ہندی، انگریزی، سنسکرت کے علاوہ آئندہ سال سے اردو میں بھی سوال نامے دیے جائیں گے۔ انھوں نے بتایا کہ ایسا طلبہ و طالبات کے مطالبے پر کیا جارہا ہے۔

ریاستی وزیر کے مطابق بہت سے طلبہ و طالبات ایسے ہیں جو اردو میں امتحان دینے میں آسانی محسوس کرتے ہیں جن کی درخواست پر اب سیکنڈری بورڈ کے امتحانات کے سوال نامے اردو زبان میں بھی تحریر کرنے کی سہولت دی جارہی ہے۔

واضح رہے کہ یوپی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے لیکن تعلیمی سطح پر اردو اسکولوں کا فقدان ہے۔ اردو کے تئیں موجودہ ریاستی سرکار کی جانب سے بہت سارے اعلانات کیے گئے ہیں لیکن اسکولی سطح پر اردو میں تعلیم کا انتظام نہیں کیا جارہا ہے۔ بہرحال بورڈ امتحانات میں سوال ناموں کو اردو میں شائع کرنے سے اہل اردو میں خوشی کی لہر ہے۔

(انقلاب۔ دہلی)

اسکولوں میں اقلیتی طلبہ کی تعداد 10 ہونے پر
اردو اساتذہ کی تقرری کا ہریش راوت نے اعلان کیا

دہرادون، اتراکھنڈ (15 مئی)۔ اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی حکومت کے عزم کو دہراتے ہوئے اتراکھنڈ کے وزیر اعلا ہریش راوت نے کہا کہ ریاست کے ان اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری کی جائے گی جہاں اقلیتی طلبہ کی تعداد کم از کم 10 ہے۔ یہاں جاری ایک سرکاری ریلیز کے مطابق کانگریس ہیڈ کوارٹر میں اقلیتی سیل کی طرف سے منعقد ایک پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلا ہریش راوت نے کہا کہ اردو مترجم کے عہدے کی تخلیق پر بھی غور کیا جارہا ہے۔ راوت نے کہا کہ ریاستی حکومت نے اقلیتی طبقے کی فلاح و بہبود کے لیے متعدد منصوبے شروع کیے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ریاست میں مدرسہ تعلیم کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے جس کے تحت گزشتہ سال بڑی تعداد میں مدرسوں کو منظوری دی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ترقی کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے، اس لیے اس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے جس سے اقتصادی ترقی بھی ہوگی۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

اردو اسٹاف نہیں
سرکاری احکام پر عمل کیسے ہوگا!

پانی پت (۹ مئی)۔ صوبائی لسانی سکریٹری سلیش کرشن نے ضلع مجسٹریٹ کو خصوصی سرکلر بھیج کر کہا ہے کہ وہ اردو میں درخواستیں قبول کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے جوابات بھی اردو میں دلائیں۔ آل انڈیا اردو تنظیم کے نائب صدر حاجی عبدالحفیظ نے کہا کہ ضلع انفارمیشن آفس تک میں کوئی اردو اسٹاف نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انتظامیہ کے کسی دفتر میں بھی اردو داں موجود نہیں ہے تو ان حالات میں اردو کو کس طرح سرکاری حیثیت سے نافذ کیا جاسکے گا۔ انھوں نے کہا کہ اس سلسلے میں آل انڈیا اردو تنظیم کا ایک وفد وزیر اعلا سے مل کر انھیں ضلع میں اردو کی صورت حال سے متعلق ایک میمورنڈم دے گا جس میں اردو کو سرکاری حیثیت دینے کے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ٹھوس تجاویز پیش کی جائیں گی۔ انھوں نے ضلع انتظامیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کلکٹریٹ اور انفارمیشن آفس، پولیس آفس اور ضلع کی سبھی تحصیلوں میں اردو اسٹاف کا تقرر کرے اور سرکاری احکام کے مطابق سبھی سرکاری دفاتر، پولیس چوکیوں اور تھانوں میں اردو کے بورڈ و نیم پلیٹ بھی اردو میں لکھ کر لگوانے کے احکام جاری کرے۔ انھوں نے اس سلسلے میں ضلع مجسٹریٹ کو بھی اردو تنظیم کی طرف سے ایک میمورنڈم دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

داناپور اسٹیشن سے
اردو بورڈ غائب

پھلواری، بہار (12 مئی)۔ بہار کی دوسری سرکاری زبان اردو کن چیلنجوں سے گزر رہی ہے اور متعصب افسران کس طرح اسے مٹانے کی سازش میں مبتلا ہیں اس کی ایک واضح مثال داناپور ریلوے اسٹیشن ہے۔ یہاں ہمیشہ سے ہندی، انگلش کے ساتھ اردو میں بھی بورڈ لگا رہتا تھا لیکن چند ماہ قبل یہاں سے بورڈ ہٹائے گئے جس میں ہندی اور انگلش کے بورڈ تو لگا دیے گئے لیکن اردو کے بورڈ کو سرے سے غائب کردیا گیا۔ تقریباً 9 ماہ سے اسٹیشن کے مین گیٹ پر اردو کا بورڈ نہیں ہے۔ اردو میں بورڈ نہ لگائے جانے سے اردو داں مسافروں میں برہمی پائی جارہی ہے۔ بہار پسماندہ مسافر یونین کے سکریٹری شعیب قریشی نے کئی ماہ قبل اس کی شکایت اسٹیشن انتظامیہ سے کی تھی لیکن اس پر کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ شعیب قریشی نے ایک بار پھر ریلوے کے اعلا حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ جلد ہی خالی جگہ پر اردو کا بورڈ لگایا جائے، ورنہ تحریک چلائی جائے گی۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

اسکولوں میں اردو کو لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل کرنے کی یقین دہانی
اردو اکیڈمی جدہ کی ڈپٹی چیف منسٹر تلنگانہ جناب محمد محمود علی سے نمائندگی

جدہ (14 مئی)۔ ریاست تلنگانہ کے نائب وزیر اعلا جناب محمد محمود علی نے جدہ میں اپنے قیام کے دوران ایک اجلاس میں اردو اکیڈمی جدہ کی جانب سے پیش کی گئی قرارداد کو قبول کرتے ہوئے اکیڈمی کے (سر) داران کو یقین دلایا کہ حکومت تلنگانہ اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے اپنے ارادے پر اٹل ہے اور اردو زبان کو تمام مدارس میں ایک لازمی مضمون کے طور پر شامل نصاب کرنے کے لیے محکمہ تعلیم کو ضروری ہدایات عنقریب دے جائیں گے۔ اردو اکیڈمی جدہ کے صدر جمال قادری اور ان کے رفقا سید محمد خالد حسین، سید شمس الدین قادری، محمد عباس خاں اور تلنگانہ گلف امپلائز فورم کے صدر مظہر علی افتخار نے جناب محمود علی کو قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا کہ ریاست تلنگانہ کے پہلے چیف منسٹر کے چندر شیکھر راؤ اور دیگر اہم وزرا نے میڈیا کے ذریعے بارہا اپنے عزائم کا ذکر کیا ہے کہ وہ آصف جاہ نظام سابع کی طرز پر ریاست تلنگانہ میں اردو کو ایک لازمی مضمون کے طور پر شامل نصاب کریں گے لیکن اس سلسلے میں ابھی تک کوئی حکومتی اعلامیہ جاری نہ ہوسکا۔ سعودی عرب میں مقیم این آر آئیز، محبان اردو و دیگر تنظیمیں اردو اکیڈمی جدہ کی وساطت سے حکومت تلنگانہ سے پُرزور مطالبہ کرتی ہیں کہ آنے والے تعلیمی سال سے اردو کو ایک لازمی مضمون کے طور پر تمام مدارس میں شامل نصاب کرنے کے سرکاری احکام جاری فرمائے۔ حکومت تلنگانہ کے اس اقدام سے جہاں ریاست میں امن و امان اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا قائم ہوسکے گی وہیں آنے والی نسلوں میں اردو زبان کی تہذیب، ثقافت، رواداری و انسانیت کے اقدار منتقل ہوں گے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

دہلی کانگریس اردو میں بھی پریس ریلیز جاری کرے گی

نئی دہلی (۹ مئی)۔ کانگریس کی دہلی یونٹ نے آج اعلان کیا کہ اب وہ ہندی اور انگریزی کی طرز پر ہی اردو زبان میں بھی پریس ریلیز جاری کیا کرے گی تاکہ اردو اخبارات کو خبر نگاری میں آسانی ہو۔ دہلی کانگریس کے صدر اجے ماکن نے یہاں اردو ذرائع ابلاغ کے ساتھ ایک خصوصی نشست کے دوران اس خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو اخبارات کو بروقت اطلاعات فراہم کرنے کے لیے اردو زبان میں پریس ریلیز کا جاری کیا جانا ضروری ہے تاکہ اردو میڈیا کو کانگریس سے مزید قریب لایا جاسکے۔ انھوں نے کہا کہ اردو میڈیا سیل قائم کرنے، اردو پریس ریلیز جاری کرنے اور اردو ذرائع ابلاغ سے متعلق تمام ذمہ داریاں پارٹی کی کونسلر عشرت جہاں اور آل محمد اقبال کو سونپی گئی ہیں۔ یہ دونوں کونسلر اردو کے صحافیوں سے اطلاعات کا تبادلہ کرنے کے ساتھ ساتھ پارٹی کی سرگرمیوں اور پروگراموں سے بھی اردو اخبارات کو واقف کرائیں گے تاکہ اردو اخبارات کے ذریعے اردو داں طبقے کے لوگوں تک پارٹی کی سرگرمیاں اور پروگراموں کو پہنچایا جاسکے۔ مسٹر اجے ماکن نے کہا کہ کانگریس جہاں اپنی شکست کے اسباب کا پتا لگا رہی ہے وہیں وہ ان خامیوں کو بھی دور کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے جو وجہ شکست بنیں تاکہ پارٹی اپنی پرانی آب و تاب کے ساتھ اپنے سابقہ وقار کو پھر سے بحال کرسکے۔ انھوں نے کہا کہ کانگریس اپنی سیکولر روایات پر چل کر ہی خود کو مضبوط کرسکتی ہے اور ملک کو تیز رفتار ترقی کی راہ پر لے جاسکتی ہے۔ اردو میڈیا پر کانگریس کی خصوصی توجہ سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کانگریس اپنی مسلسل شکستوں کا جائزہ لینے کے بعد مسلم ووٹروں کے اندر اپنا اعتماد بحال کرکے ان کے دل جیتنے کی کوششوں کے تحت وہ یہ اقدام کر رہی ہے۔ اس میٹنگ میں اردو میڈیا کے نمائندوں کے علاوہ ریاستی کانگریس کی ترجمان شرمشٹھا مکھرجی، محمود ضیا، وارڈ کی کونسلر عشرت جہاں اور کونسلر آل محمد اقبال کے علاوہ پارٹی کے دیگر کارکن موجود تھے۔

(سالار۔ بنگلور)

مہاراشٹر کے اردو اسکولوں میں
مراٹھی کا لزوم

ممبئی (12 مئی)۔ مہاراشٹر کے وزیر برائے اقلیتی امور ایکناتھ کھڈسے نے آٹھویں جماعت سے دسویں جماعت کے اردو میڈیم اسکولوں میں مراٹھی کا بنیادی کورس شروع کرنے کے اعلان کے بعد آج کہا ہے کہ ایسے اسکولوں کی مسلمہ حیثیت ختم کردی جائے گی جو مراٹھی زبان نہیں پڑھاتے۔ انھوں نے بتایا کہ میرے پاس ایسی ٹھوس اطلاعات ہیں کہ بعض ایسے اردو میڈیم اسکول ہیں جہاں مراٹھی نہیں پڑھائی جاتی۔ انھوں نے کہا کہ ہم ایسے اسکولوں کو نوٹس روانہ کریں گے اور اگر وہ ہدایت پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو ہمیں ایسے اسکولوں کی مسلمہ حیثیت ختم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوگا۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

ٹی ای ٹی اردو کی کاپیوں کی جانچ میں غیر معمولی تاخیر سے تقرری کی راہ دشوار

پٹنہ (15 مئی)۔ ٹی ای ٹی اردو اور بنگلہ کے معاملے میں ہائی کورٹ کے فیصلے کے تقریباً 10 دنوں کے بعد بھی کاپیوں کی دوبارہ جانچ شروع نہیں ہوئی ہے۔ ایڈوکیٹ جنرل للت کشور نے بتایا کہ اس معاملے میں حکومت کی جانب سے ان سے کوئی واضح اشارہ یا قانونی صلاح نہیں مانگی گئی ہے۔ اس سے اردو اور بنگلہ ٹی ای ٹی کے امیدواروں کی مایوسی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس معاملے میں ٹی ای ٹی کامیاب امیدوار سنگھ کے وکیل شاہنواز علی نے کہا کہ ہائی کورٹ کے اس فیصلے سے کم از کم 10 ہزار اردو اور بنگلہ کے امیدواروں کو جھٹکا لگا ہے۔ اس سے ان امیدواروں کے اسکول ٹیچر بننے کی امیدوں پر بھی پانی پھرتا دکھائی دے رہا ہے۔ اس سے ٹی ای ٹی امتحان میں کامیاب وہ امیدوار بھی ٹینشن میں ہیں جو پہلے مرحلے میں کامیاب قرار دیے گئے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ انھیں قانونی داؤ پیچ میں الجھا کر ان کی تقرری کی راہ دشوار کر دی گئی۔ ایڈوکیٹ شاہنواز علی نے بتایا کہ نتائج کے انتظار میں ان امیدواروں کو یہ خوف بھی ستانے لگا ہے کہ اسمبلی انتخاب نزدیک ہونے سے ضابطۂ اخلاق نافذ ہو سکتا ہے اور اس سے ان کی تقرری انتخاب سے پہلے نہیں ہو پائے گی۔ ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے 10 دنوں کے بعد بھی دوبارہ کاپیوں کی جانچ شروع نہ ہونے سے پہلے اور دوسرے مرحلے میں کامیاب سبھی امیدوار مایوس ہیں۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

سرکاری سطح پر اردو کو نظر انداز کیے جانے کی مذمت

حکومت دہلی میں اردو اساتذہ کی جلد تقرری کا مطالبہ

نئی دہلی (8 مئی)۔ عوامی ایکتا ویلفیئر اسوسی ایشن کی ایک میٹنگ زیر صدارت مولانا ایم رضوان اختر قاسمی بمقام شہید اشفاق اللہ خاں پارک، نیو سیلم پور میں منعقد ہوئی۔ مولانا قاسمی نے سرکاری سطح پر دہلی میں اردو کو نظر انداز کیے جانے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ سابق وزیر اعلا شیلا دکشت کی حکومت نے گزشتہ 15 سال سے محکمہ تعلیم کے ذریعے ایک بھی مستقل اردو ٹیچر بحال نہیں کیا۔ اگر موجودہ وزیر اعلا اروند کیجریوال کی حکومت نے بھی گزشتہ شیلا حکومت کی طرح اردو کو نظر انداز کیے جانے کا سلسلہ برقرار رکھا تو اردو کا ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔ 'عام آدمی پارٹی' کے وزیر تعلیم منیش سسودیا نے حال ہی میں دہلی میں اسکولوں کی توسیع کرنے کا جو اعلان کیا ہے وہ خوش آئند ضرور ہے لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ دہلی کے تمام اسکولوں میں اردو کی تعلیم کو یقینی بنایا جائے اور اردو ٹیچرز کی بحالی پر خصوصی توجہ دی جائے۔ مولانا قاسمی نے مزید کہا کہ اردو والے سیمنار اور مشاعرے سے اوپر اٹھ کر اردو کے فروغ کے لیے نمایاں کام کریں ورنہ انھیں تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اس موقع پر قاری نواب علی، حکیم عطاء الرحمن اجملی، ماسٹر محمد زاہد، عابد انصاری، یوسف ملک، قاری مخدوم حسینی، ریاض احمد شمسی، طلحہ ریاض شمسی اور محمد آصف خاں وغیرہ بھی موجود تھے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو اسکولوں میں داخلے کے لیے مہم

بیدر، کرناٹک (10 مئی)۔ شہر بیدر میں چوبارہ اور جامع مسجد کے قریب ایک بڑی ہورڈنگ لگائی گئی ہے جس پر اردو میں اسکولوں میں داخلے لینے کی ترغیب دار الحکیم یونانی دواخانہ، یاران ادب، بزم غزالاں، ایس کے ایف ٹریڈرس، مولانا ابوالکلام آزاد یوتھ سنگھ، ترقی و ترویج اردو اور این آر آئیز اردو اکیڈمی نے دلائی ہے اور کہا ہے کہ مادری زبان کے ذریعے تعلیم بچے کی تخلیقی صلاحیتوں اور ذہنی نشوونما کی ضامن ہوتی ہے۔ اردو میڈیم اسکولوں میں داخلوں اور تعلیم سے طلبہ و طالبات اپنے مذہب، تہذیب و ثقافت، اپنی زبان اور وراثت سے جڑے رہتے ہیں۔ مذکورہ تنظیموں نے سرپرستوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اردو اسکولوں سے تعلیم دلانے کا اظہار تفاخر کریں۔ اس موقع پر صحافیوں سے بات کرتے ہوئے محمد یوسف رحیم بیدری (جنرل سکریٹری یاران ادب، بیدر) نے کہا کہ ہم اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ اردو پڑھانے والے والدین کے دلوں سے اردو سے متعلق احساس کمتری نکل جائے۔ شہر میں انگریزی اسکولوں کی تشہیر ہو رہی ہے لیکن اردو اسکولس ہمیشہ کی طرح خاموش ہیں۔ ہم اس خاموشی کو توڑنا چاہتے ہیں اور اسی کے لیے یہ قدم اٹھایا گیا ہے۔ انھوں نے دیگر شہروں سے بھی اس سمت میں پیش قدمی کرنے کی اپیل کی ہے تاکہ اردو کی ہر ممکن ترقی ہو۔

(سالار، بنگلور)

مرکزی یونیورسٹیوں میں وائس چانسلر کے 25 اور اساتذہ کے 50 فیصد عہدے خالی

دہلی یونیورسٹی میں 902، بنارس ہندو یونیورسٹی میں 701، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں 114 اور الٰہ آباد یونیورسٹی میں 513 اسامیاں خالی، کیسے ہو طلبہ کی پڑھائی

نئی دہلی (18 مئی)۔ الٰہ آباد یونیورسٹی سمیت ملک بھر کی 10 مرکزی یونیورسٹیوں میں وائس چانسلر کے 25 فیصد عہدے خالی ہیں۔ ان خالی عہدوں پر تقرری نہ ہونے سے ان یونیورسٹیوں میں 40 سے 50 فیصد پر اساتذہ کی بھی طویل عرصے سے سیٹیں خالی ہیں۔ ان میں زیادہ تر عہدے ریڈر و لکچرر کے ہیں۔ برسوں سے عارضی اساتذہ کے سہارے ہی یہ یونیورسٹیاں چل رہی ہیں۔ فروغ انسانی وسائل کی وزارت اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن ٹیچروں کے خالی عہدوں کو پُر کرنے کے لیے خط لکھتا رہا ہے۔ دہلی یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل کے رکن پروفیسر ہنس راج سمن نے جاری بیان میں کہا ہے کہ ملک کی ممتاز مرکزی یونیورسٹیوں میں وائس چانسلر کے انتخاب سے متعلق سرچ کمیٹیاں یا سلیکشن کمیٹی بیٹھ چکی ہیں لیکن سلیکشن کمیٹی نے ابھی تک ان یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر کی تقرری سے متعلق احکام نہیں جاری کیے ہیں، نہ جانے سلیکشن کمیٹی کے سامنے ایسا کون سا بحران ہے جس کی وجہ سے یہ تقرریاں رکی ہوئی ہیں۔

پروفیسر سمن کے مطابق مرکزی یونیورسٹیوں میں وائس چانسلر کے تقریباً 25 فیصد عہدے طویل عرصے سے خالی ہیں۔ وائس چانسلر کی تقرریاں نہ ہونے سے ان یونیورسٹیوں میں اساتذہ کے 40 سے 50 فیصد عہدوں پر بھی تقرریاں کی جانی ہیں۔ ان یونیورسٹیوں میں چھتیس گڑھ کی گرو گھاسی داس یونیورسٹی، نارتھ ایسٹرن ہل یونیورسٹی، الٰہ آباد یونیورسٹی، تمل ناڈو سینٹرل یونیورسٹی، بہار یونیورسٹی، [illegible] مرکزی یونیورسٹی، اڑیسہ اور حیدرآباد یونیورسٹی، راجستھان اور کشمیر یونیورسٹی میں وائس چانسلر کے عہدے خالی ہیں۔ پروفیسر سمن کا کہنا ہے کہ جب ان یونیورسٹیوں میں وائس چانسلر ہی نہیں ہیں تو اساتذہ کی تقرری کون کرے گا۔ برسوں سے عارضی گیسٹ فیکلٹی کے سہارے ہی اساتذہ سے کام لیا جارہا ہے۔ حالت یہ ہے کہ اب مرکزی یونیورسٹیوں میں 16 ہزار 692 منظور عہدوں میں سے 10 ہزار 441 عہدوں پر تقرریاں ہوئی ہیں جس میں 6 ہزار 251 عہدے کافی عرصے سے خالی ہیں۔ الٰہ آباد یونیورسٹی میں 513، حیدرآباد یونیورسٹی میں 144، کشمیر یونیورسٹی میں 104، اڑیسہ مرکزی یونیورسٹی میں 134، تمل ناڈو مرکزی یونیورسٹی میں 122 کے علاوہ دہلی یونیورسٹی میں 902، بنارس ہندو یونیورسٹی میں 701، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں 114، سکم یونیورسٹی میں 132، ہریانہ مرکزی یونیورسٹی میں 144، ہماچل یونیورسٹی میں 119، کیرالا یونیورسٹی میں 105، پنجاب مرکزی یونیورسٹی میں 107 عہدوں پر تقرری ہونی ہے۔ پروفیسر سمن نے بتایا ہے کہ اساتذہ کے خالی عہدوں کے یہ اعداد و شمار 31 مارچ 2014 تک کے ہیں، کچھ یونیورسٹیوں نے اس درمیان تقرریاں کی ہیں اور کچھ جگہوں پر ٹیچروں کے عہدے خالی بھی ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ کچھ وقت کے بعد دہلی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا عہدہ بھی خالی ہونے والا ہے اور کچھ لائن میں ہیں، لیکن ابھی تک سرچ کمیٹی نہیں بنائی گئی ہے جب کہ 6 ماہ پہلے وائس چانسلر کے عہدوں کو بھرنے کی پہل ہو جاتی ہے۔ یو جی سی ان یونیورسٹیوں کو خط لکھ دیتا ہے لیکن انھیں پُر کرنے میں کوئی پہل نہیں کی جارہی ہے۔ جب یونیورسٹیوں میں استاد ہی نہ ہوں تو طلبہ کو کون پڑھائے گا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو میڈیم مدارس کے مسائل حل کیے جائیں

محبوب نگر، تلنگانہ (8 مئی)۔ آلوئیر پروگریسو اردو ٹیچرس اسوسی ایشن 'اپوٹا' کے ایک وفد نے خواجہ قطب الدین (کنوینر و صدر اسوسی ایشن) کی قیادت میں راجیو ودیا مشن حیدرآباد میں اسٹیٹ پروجیکٹ انجینئر جی جی کیشولو اور ایڈیشنل اسٹیٹ پروجیکٹ ڈائرکٹر سے ملاقات کرتے ہوئے مختلف مطالبات کیے گئے جس میں اسٹیٹ اردو اکیڈمک مانیٹرنگ آفیسر (ایس یو ایم او) کا تقرر کرنے، نئے پرائمری مدارس میں ایس جی ٹی اساتذہ کی منظوری، پرائمری اسکول کو اپر پرائمری اسکول کا درجہ دینے، اردو میڈیم اسکول کامپلیکس کے قیام کی منظوری دی جائے۔ ریاست میں تمام اردو میڈیم اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر نیز عربی مدارس کے لیے دوپہر کے کھانے کی اسکیم پر عمل آوری کی جائے جس پر ایس پی ڈی اور ایڈیشنل اسٹیٹ پروجیکٹ ڈائرکٹر بھاسکر راؤ نے ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔

(رہنمائے دکن، حیدرآباد)

موسم گرما کی تعطیلات میں اردو تعلیم

انگریزی میڈیم کے بچوں کو اردو سکھانے کا عزم

ممبئی (یکم مئی)۔ حال میں موسم گرما کی تعطیلات کے ساتھ ہی مشہور شاعر حامد اقبال صدیقی نے ایک اپیل سوشل میڈیا پر جاری کی کہ اگر آپ کے بچے انگریزی میڈیم سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں تو اس بار انھیں گرمیوں کی تعطیلات میں اردو سکھانے کا اہتمام کیا جائے۔ حامد اقبال کی اس مہم میں شریک ہوتے ہوئے روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' کے نمائندے نے جنوبی ممبئی کے دو اہم اقلیتی اداروں کے کالج میں شعبۂ اردو کا حال جاننے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ ان دنوں مہاراشٹر کالج اور برہانی کالج میں شعبۂ اردو کا برا حال ہے۔ فرسٹ ایئر میں ان دونوں کالجوں میں گنتی کے طلبہ موجود ہیں جن کی تعداد بتاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

ایک دور میں جنوبی اور جنوب وسطی ممبئی کے کے سی، سدھارتھ، زیویرس کالج سے لے کر ہر ایک کالج میں شعبۂ اردو موجود تھا لیکن پھر کئی اسباب سے انھیں ختم کر دیا گیا اور صرف برہانی اور مہاراشٹر کالج کے شعبۂ اردو میں بے شمار بچے زیر تعلیم تھے، لیکن اب ان شعبوں میں گنتی کے بچے رہ گئے ہیں اور مستقبل میں کیا ہوگا اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ ان اقلیتی کالجوں میں شعبۂ اردو کو بچانے کی کوشش کی جانی چاہیے اور حامد اقبال کو اپنی اس مہم کو وسیع کرنا ہوگا جو کہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

(اردو ایکشن، بھوپال)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ
مصنف : ڈاکٹر محبوب راہی
ضخامت : 276 صفحات
قیمت : 152 روپے
ملنے کا پتا : ڈاکٹر محبوب راہی، بارسی ٹاکلی ضلع اکولہ-444401 (مہاراشٹر)
تبصرہ نگار : مفتی حبیب الرحمن ندوی

معروف شاعر و ادیب ڈاکٹر محبوب راہی کی زیر تبصرہ تصنیف اُن کی دیگر تصانیف میں اس اعتبار سے انفرادیت اور اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں راہی صاحب نے اپنے سیکڑوں تنقیدی، تحقیقی اور تجزیاتی مضامین کے سمندر سے 16 ایسے گوہر آبدار منتخب کرکے اس کتاب میں یکجا کردیے ہیں جن کی چمک دمک اور تب و تاب سے اردو شعر و ادب کے صفحات جگمگا رہے ہیں۔

اردو شعر و ادب کے ان منتخب روزگار شخصیات کے محض ناموں ہی سے شعر و ادب کا معمولی فہم رکھنے والا شخص بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگا کہ یہ تمام شخصیات بلا مبالغہ 'یادگار زمانہ ہیں' بھلا حقدمین، متوسطین اور ہم عصر اردو کے نمائندہ فنکاروں کے یادگار زمانہ ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے، جن میں میر، غالب، نظیر، اقبال، مولانا آزاد، سرسید، پریم چند، جوش، فراق، شاد، یگانہ، وارث علوی، گوپی چند نارنگ، مظفر حنفی، دیپال سنگھ بیتاب اور ظفر گورکھپوری جیسے فنکار شامل ہیں۔ شعر و ادب کے ان قلم کاروں کی مختلف فنی جہتوں پر راہی صاحب نے عالمانہ انداز میں روشنی ڈال کر اپنی تنقیدی بصیرت کے شواہد پیش کیے ہیں۔

'حرفے چند' کے تحت پروفیسر مظفر حنفی نے محبوب راہی کے ان مضامین کے تعلق سے اپنی گراں قدر رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ان مضامین کا تنوع اور رنگارنگی محبوب راہی کی وسعت نظر اور کثرت مطالعہ کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ اس کتاب میں نظریاتی حد بندی اور موضوعاتی حصار بندی سے بالاتر ہوکر اردو کے ایسے اہم اصحاب قلم کو موضوع بحث بنایا گیا جو نہ صرف اپنے عہد میں انفرادیت کے حامل رہے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ان کی مقبولیت اور اہمیت میں اضافہ ہی ہوتا رہا ہے''۔

معروف نقاد حقانی القاسمی، محبوب راہی کے تنقیدی طریقہ کار کے تعلق سے فرماتے ہیں:

''محبوب راہی کا جو تنقیدی طریقہ کار ہے اس کا تعلق تنقید کے مروجہ اسالیب سے نہیں بلکہ اُن کے باطن میں نہاں مثبت، ذہنی ارتعاشات سے ہے۔ اُن کے یہاں تحسین (Positive appreciation) کا جو کچھ ہے وہ اُن کی داخلی شخصیت کا اظہار اور اسلوب ہے۔ ان کا ذہن منفیت کے مہلک اثرات سے پاک ہے، اسی لیے ان کے رویے میں ایک طرح کا فطری پن ہے''۔

اسباق پبلی کیشنز پونہ کے زیر اہتمام منظر عام پر آنے والی اس اہم کتاب کے سرورق پر کتاب میں مشمولہ تمام 16 قلم کاروں کی رنگین تصاویر سے سجا سنوار کر کتاب کو اسم بامسمیٰ 'یادگار زمانہ' بنادیا گیا ہے۔

■■■

نام کتاب : نوائے دل
شاعرہ : رضوانہ تبسم
ضخامت : 112 صفحات
قیمت : 150 روپے
ملنے کا پتا : سندھو رنگ سوسائٹی بی ونگ روم نمبر 31 تیسرا منزلہ دیونار کالونی، ایم وارڈ کے سامنے، گوونڈی ممبئی-400043
تبصرہ نگار : ابو صارم صارم
sarimabusarim@gmail.com

میں نے خونِ جگر سے لکھی ہے غزل
یہ حقیقت ہے کوئی کہانی نہیں

خونِ جگر سے غزلیں لکھنے والی اس شاعرہ کا نام رضوانہ تبسم ہے، جن کا پہلا شعری مجموعہ 'نوائے دل' کے عنوان سے منظر عام پر آیا ہے، جس کا انتساب انھوں نے اپنے والد محترم زبیر صاحب اور والدۂ محترمہ ذکیہ بیگم (مرحومہ) کے نام کیا ہے۔

112 صفحات کے اس مجموعے میں جن ادیبوں نے اپنے تاثرات پیش کیے ہیں ان میں محمد حسین پرکار، ڈاکٹر معترہ قاضی اور عارف اعظمی شامل ہیں۔ بہ قول عارف اعظمی: ''تبسم کے کلام میں یاسیت اور قنوطیت سے زیادہ رومانیت کا پہلو نمایاں ہے۔ کلام غیر فلسفیانہ ہے۔ آسان زبان نے اشعار کو عام فہم بنادیا ہے۔ آہنگ میں کسی قدر نرمی اور لہجے میں دھیماپن ہے۔ زیادہ تر غزلیں سہل ممتنع میں ہیں۔ تہ داری تو کم ہے مگر رعنائی اور رنگینی کا عنصر زیادہ غالب ہے''۔

اس مجموعے میں ایک حمد، چند نعتیں، ایک ترانہ اور 72 غزلیں شامل ہیں۔ مجموعے کا آغاز رضوانہ تبسم نے حمد و نعت سے کیا ہے۔ نعت پاک کا ایک شعر پیش خدمت ہے:

دونوں عالم کا پیارا مدینے میں ہے
میرے دل کا سہارا مدینے میں ہے

مجموعے کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعرہ نے سادہ اور عام فہم زبان میں صرف عشق و محبت تک ہی اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا بلکہ حالات حاضرہ کا نوحہ بھی پیش کیا ہے۔ انھوں نے اپنے اشعار میں کہیں نفرت کی دیوار گرانے کی بات کہی ہے تو کہیں بغض و حسد سے بچنے کی تلقین۔ کسی شعر میں تعصب و تشدد پر وار کیا ہے تو کسی شعر میں دلہنوں کو جلانے پر احتجاج۔ شعر دیکھیے!

بغض و حسد سے جن کا ہے سینہ بھرا ہوا
اک دن اسے بھی نیچا دکھائی ہے زندگی

حالات حاضرہ کا کرشمہ تو دیکھیے
اب دلہنوں کو زندہ جلانے لگے ہیں لوگ

جہاں اس طرح کے اشعار سے مجموعہ لبریز ہے وہیں رضوانہ تبسم کے اس انداز کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ:

کبھی دل لگانے پر تلے بھر میں چھپے ہیں
یہ دنیا ہے ذرا سی بات کا افسانہ بنتا ہے

'نوائے دل' کی شاعرہ رضوانہ تبسم اگر احتیاط سے آگے بڑھیں، سوچ سمجھ کر شعر کہیں، زیادہ کہنے کے بجائے بہتر کہنے پر توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان سے اس سے بہتر مجموعے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

■■■

بقیہ: محاورات غالب

دیا اردو کے مشہور محاورے ہیں:

چاہتے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل
بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے

بات بنانا: اور بات بنانا میں بظاہر تو کچھ الف بیش کوئی فرق نہیں لیکن دراصل دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلا تدبیر کارگر ہونے کے اور دوسرا حیلے بہانے سے کام لینا کے معنی میں آتا ہے:

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

زہر اترنا: یوں تو ایک مبارک فال ہے لیکن اگر رگ و پے میں اترنا کہیں تو سمجھ لیجیے کہ برا حال ہے۔

رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے

آنکھیں دکھانا: بھی اسی قبیل کا محاورہ ہے۔ اگر کوئی خوش چشم آنکھیں دکھلائے (دکھائے) تو سیکڑوں نظرباز نظارے کے لیے ٹوٹ پڑیں۔ لیکن اگر نگاہ عتاب بھی شامل ہو تو ہر کسی کا ٹھہرنا مشکل ہو:

مند نہ دکھلاوے نہ دکھلا، پر بہ انداز عتاب
کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

پاک ہوجانا: چھٹے ہوئے رند بن جانا:

رونے سے اور عشق میں بے باک ہوگئے
دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہوگئے

نیز پاک ہونا: حساب صاف ہوجانے اور جھگڑا فیصل ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے:

صرف بہائے مے ہوئے آلات مے کشی
تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہوگئے

راہ سخن وا ہونا: گفتگو کا ڈھب پیدا کرنا:

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی

اٹھا دینا: نکال دینا۔ کسی جگہ سے اٹھانا اٹھنا کی ضد، تیز فروے (جتلانے) کو کاندھے پر لے کر چلنا:

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھوں اب مرگئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

بھرم کھل جانا: اعتبار جاتا رہنا:

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

پیچ آپڑنا: ضد ہوجانا۔ بات کی لاج ہونا:

پیچ آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے
وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے

وقت پڑنا: مصیبت آنا۔ ذیل کے شعر میں 'سایہ' کے لفظ سے خاص فائدہ لیا ہے کیوں کہ سائے سے وقت کا اندازہ کیا جاتا ہے:

اے پرتو خورشید جہاں تاب ادھر بھی
سائے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

آنکھ پڑنا: حسرت یا رغبت سے نظر کرنا:

اک خوں چکاں کفن پہ کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

چور بننا: چھپے چھپے پھرنا:

لازم نہیں کہ ہم ہیں کہ ہیں رو شناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لیے

متداول دیوان کے علاوہ نسخۂ حمیدیہ میں بھی گلدستہ باندھنا (سجانا)، آئینہ باندھنا (لگانا، رکھنا) وغیرہ ملتے ہیں جن میں فارسی کی تقلید صاف جھلکتی ہے۔

ان محاورات سے قطع نظر جو پہلے سے زبان پر رائج تھے، مرزا نے بہ کثرت نئے محاورات برتے ہیں جو ان کی مجتہدانہ طبیعت کی پیداوار ہیں اور جن میں سے اکثر کو قبول عام کی سند نہیں ملی۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ وہ محاورے دوسرے شعرا کی طرح صرف محاورے کی خاطر نہیں لائے گئے بلکہ ان کو مرزا کے فن میں وہی حیثیت حاصل ہے جو ایک مشین میں اہم پرزوں کو حاصل ہوتی ہے۔ انھوں نے سچ کہا ہے:

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

(بہ شکریہ مخزن، قائد اعظم لائبریری کا ششماہی ادبی مجلہ، شمارہ ۲۵، لاہور)

•••

بقیہ: منشاء الرحمٰن خاں منشا

15 ہے۔ منشا صاحب نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی اور خوب کی۔ ان کی بیشتر کتابوں کو صوبائی اکادمیوں نے انعامات سے نوازا۔ مہاراشٹر اردو اکادمی نے منشا صاحب کی مجموعی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے صوبائی سطح کا سراج اورنگ آبادی ایوارڈ عطا کیا۔ وہ عرصۂ دراز تک اردو اکادمی کے معزز رکن رہے۔ علمی و ادبی انجمن 'حلقۂ احباب' کے تاحیات صدر رہے۔ آکاش وانی ناگپور میں مرکزی حکومت کی جانب سے ایڈوائزری کمیٹی کے رکن نامزد ہوئے۔ سٹیزن پیس کمیٹی کے رکن کے علاوہ وہ شہر کی کئی انجمنوں اور اداروں سے وہ

وابستہ تھے۔ ایک دن میں نے دریافت کیا حضرت! آپ اتنی تنظیموں اور اداروں سے منسلک ہیں لیکن سیاست سے کیوں پرہیز کرتے ہیں؟ فرمایا میں تین 'م' کی سیاست میں نہیں پڑتا، ایک مسجد، دوسرا مندر اور تیسرا مقبرہ۔

منشا صاحب عمر بھر گورنمنٹ کوارٹر میں رہے۔ ایک دن میں نے کہا حضرت آپ نے اب تک کوئی مکان نہیں بنوایا، کہنے لگے "میاں! ہم اس بات کے قائل ہیں کہ بچوں کو اس لائق بنادو کہ وہ گھر بنانے والے بن جائیں"۔

اسی طرح ایک روز میں نے انھیں اپنے نو تعمیر شدہ مکان میں مدعو کیا تو مکان میں داخل ہوتے ہوئے یہ شعر عنایت کیا:

اپنی مرضی کے بام و در بنانے میں
عمر ایک لگتی ہے گھر کو گھر بنانے میں

واقعی منشا صاحب نے پوری زندگی بہ حیثیت شاعر اور ادیب گزار دی۔ وہ اسی حیثیت سے دور دور تک جانے پہچانے اور مانے جاتے تھے۔ وہ دیر و حرم، شیخ و برہمن کے تنگ دائروں سے ہمیشہ دور رہے۔ صلح پسندی اور رواداری ان کی طبیعت کا خاصہ تھے، ان ہی عناصر سے ان کی شاعری کا خمیر بھی تیار ہوا تھا۔ انسانی ہمدردی اور محبت فاتح عالم پر ان کا ایقان تھا جس کی بازگشت ان کی تمام شاعری میں ہمیں محسوس ہوتی ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:

حاصلِ ماہ و ثریا تو ہو چکی ہے بہت
جو ہو سکے تو ذرا خود کی جستجو کیجیے
جب بھی ڈالی سے گل تر ٹوٹا
دل مرا کانپ کے تھر تھر ٹوٹا
جہاں دیکھا کسی انساں کو ملول
کوہِ غم سا مرے سر پر ٹوٹا
آدمی میں ہزار ہوں جوہر
آدمیت نہیں تو کچھ بھی نہیں
چاند پر جن کو پہنچنے کا ہے سودا منشا
ان سے کہہ دو کہ وہ پہنچیں ذرا انسانوں تک

منشا کا تصورِ عشق ہوس ناکیوں سے پاک ہے۔ وہ ابتذال اور سطحیت سے ہمیشہ گریز کرتے تھے اور معیار کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے:

ہم عشق کے آداب سے بیگانے نہیں ہیں
دیوانے ہیں پر ایسے بھی دیوانے نہیں ہیں

یہ شعر ملاحظہ ہو:

بخشش عشق تقدس مآب ہیں ہم لوگ
ہمارا ذکر بھی کیجیے تو باوضو کیجیے

منشا صاحب کو محض خیالی دنیا آباد کرنا پسند نہیں تھا بلکہ وہ انتہائی پر عمل انسان تھے۔ انھوں نے جابجا اس کا اظہار بھی اپنے اشعار میں کیا ہے:

اس آسماں کی نہ اس کہکشاں کی بات کریں
گزر رہے اپنی جہاں ہم وہاں کی بات کریں

وہ بنیادی طور پر انسان دوست اور انسانیت کے علمبردار تھے:

کیا چاند کی ویران خلاؤں میں دھرا ہے
دھرتی ہی کو فردوس بنا کیوں نہیں دیتے

منشا صاحب اقبال کی طرح لہو گرم رکھنے کا بہانہ تلاشتے ہیں اور وہ لہو کے محض رگوں میں دوڑنے پھرنے کے قائل نہیں ہیں:

جگر کو چاک کر دل کو لہو لہو کیجیے
حیات کو کسی عنوان سرخ رو کیجیے
نہیں ہے حوصلہ مر مر کے زندہ رہنے کا
تو کون کہتا ہے جینے کی آرزو کیجیے

پروفیسر آل احمد سرور نے منشا صاحب کی شاعری پر کیا ہی بلیغ تبصرہ فرمایا ہے:

"وہ فن کی روایات سے آگاہ ہیں مگر روایت پرست نہیں، ان کی شاعری صبح کے اجالے کی طرح ہے جس کے دامن میں آفتاب ہے"۔

منشا صاحب نے 86 سال کی عمر پائی۔ وہ جیے اور بھرپور جیے۔ زندگی کے سارے لطف اُٹھائے۔ انتقال کے تقریباً ایک ہفتہ قبل ان سے ملاقات ہوئی، معمول کے مطابق ہشاش بشاش تھے، عادت کے مطابق تبرک کے طور پر کچھ اشعار سنائے جس میں ایک شعر یوں تھا:

کچھ تو مرنے کا حوصلہ دکھلاؤ
صرف جینے کو زندگی نہ کہو

اور جب 27 مئی 2010 کو ان کی وفات کی خبر ملی تو مجھے منشا صاحب کا یہی شعر مفہوم و معنی دیتا نظر آرہا تھا کہ وہ مرکر اَمر ہونے کی راہ پر نکل پڑے تھے:

کوئی ٹھکانا کوئی مستقر ملا تو سہی
چراغِ روح کو مٹی کا گھر ملا تو سہی
(منشا)

A-9، راٹھور لے آؤٹ، احسن نگر
ناگپور-13 (مہاراشٹر)

●◆●

بقیہ: غالب کی شاعری میں...

صفحہ 8 سے آگے

اور شاعری کے دامن کو مالا مال کر دیا ہے۔ اس نے روئے سخن کو موت کی جانب کرتے ہوئے رازِ درونِ میخانہ وا شگاف کیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے موت کے موضوع کو شجر ممنوعہ قرار نہیں دیا اسے بے باکی سے شعری قالب میں ڈھالا اور جاوداں کر دیا۔ لوگ بے تکلفی سے اس کے شعر پڑھتے ہیں اور حظ اٹھاتے ہیں۔ گردشِ وقت نے ان شعروں پر گرد نہیں ڈالی وہ آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ ہیں۔ وہ لوگ گرچہ اں نہیں ابدیت کے آبدار موتی ہیں، ان کی معنویت باقی رہے گی۔ غالب کے یہ اشعار کتابوں کے علاوہ ہزاروں لاکھوں سخن وروں کے دلوں میں محفوظ ہیں۔ غالب کا یہ شعر اس کی شاعرانہ عظمت و رفعت کا آئینہ دار ہے:

جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہو رشکِ فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

پتا: 8-1-43/1/A/5
پوسٹ آفس شیخ پیٹ
حیدرآباد- 500 008

●◆●

غالبؔ کی شاعری میں موت کی پرچھائیاں

مسعود جعفری

اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ مرزا غالب بہ حیثیت انسان اور شاعر رجائیت پسند تھے۔ انھیں امید تھی نہیں یقین تھا کہ دکھوں کے ماہ و سال کے بعد خوشیوں کا دور آئے گا۔ وہ جشن منائیں گے اور بادہ و ساغر سے شغل کریں گے۔ چاندنی راتوں میں بزم آرائیاں ہوں گی۔ محفل نا و نوش شباب پر ہوگی۔ مہتابی کرنیں ان کے جام و مینا سے ٹکرا کر ان کے سرور و انبساط کو دو آتشہ کریں گی۔ قرضوں کے چنگل میں پھنس جانے کے باوجود، جیل کی ہوا کھانے کے بعد بھی، عزت و آبرو کا پیرہن تار تار ہوجانے کے سانحے پر بھی غالب کی زندگی سے رغبت و انسیت میں رتی بھر بھی کمی نہیں آئی۔ وہ نغمہ نوا فراز گنگناتا رہا۔ بہاروں کا استقبال کرتا رہا۔ جشن کا پابند رہا، تلخی سے رزم و بزم کو زعفران زار کرتا رہا۔ اپنے عہد کی نئی ایجادات و اختراعات کو سراہتا رہا۔ سرسید کی کتاب پر تقریظ لکھنے سے پس و پیش کرتا رہا۔ اس کی دانست میں ابوالفضل کی آئین اکبری میں وہ تب و تاب باقی نہیں رہی جو سولہویں صدی میں تھی۔ انیسویں صدی نئے سائنسی انکشافات اپنے جلو میں لے چل رہی تھی۔ غالب عصری حسیت کا جویا تھا، وہ نئے عہد نامے کا زمزمہ خواں تھا۔ وہ عہد عتیق کو قصہ پارینہ تصور کرتا تھا۔ اس کا شعور زندگی حقیقتوں کا گرویدہ تھا وہ نئی روشنی کا عاشق تھا۔ اس نے غدر کی ماتمی فضاؤں میں امید و بیم کی روش اختیار کی تھی وہ نئی قوتوں کا ساتھ دے رہا تھا۔ مرتے ہوئے دور کو الوداع کہہ رہا تھا۔ گلی قاسم جان میں رہنے والے غالب کی فکر آفاقی ہوگئی تھی۔ اس کی قوموں کے عروج و زوال پر گہری نظر تھی۔ مغل تاریخ پر دستگاہ رکھتا تھا۔ المناک منزلوں سے گزر جانے کے بعد بھی اسے زندگی کی قوس قزح سے دل چسپی تھی، اسی لیے اس کے کلام میں میر کی طرح یاسیت نہیں ملتی۔ وہ آدھے گلاس میں پانی ہے کا قائل تھا۔ وہ ژرمن کے فلسفی شوپنہار کی طرح آدھا گلاس خالی ہے کا مدعی نہیں تھا۔ اس کے اندر طرب ناکی فطری تھی۔ اس کی ہمہ جہت شخصیت غم و اندوہ کے ابر سیاہ سے ماورا تھی۔ اس کے مزاج میں صبح نو کی تازگی اور حسین گلوں کی مہک تھی۔ ہجر و وصال، معاملہ بندی، فلسفیانہ موشگافیوں، صوفیانہ رموز و نکات، عاشقانہ قلابازیوں اور نشاط انگیزیوں کے پردے میں ہمیں مرگ، اجل یا موت کا بیان بھی ملتا ہے۔ غالب کے ہاں یہ احساس چپکے سے دبے پاؤں آتا ہے۔ اس کے تذکرے سے قاری پر دہشت طاری نہیں ہوتی۔ موت کی حقیقت کا لطیف سا احساس جاگ جاتا ہے۔ اس کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

پہلے شعر میں موت کے مقررہ وقت کا اعتراف ہے۔ نیند نہیں آنے کا سبب کچھ اور ہے۔ شاید معشوق سے جدائی، بے خوابی کی ایک علت ہو سکتی ہے۔ دوسرے شعر میں غالب زندگی کے اختتام ہی کو غموں سے چھٹکارے کا حل مانتے ہیں۔ زندگی کے ہمراہ غم بھی رہے گا اور خوشی بھی۔ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا، وہ لازم و ملزوم ہیں۔ ذیل کے شعروں میں غالب لفظ 'موت' کے بجائے مرنے کا لفظ باندھ رہے ہیں، دیکھیے:

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

غالب نے مصائب و آلام کو بلاؤں سے تشبیہ دی ہے۔ انھوں نے اپنے ایک شعر میں کچھ اس انداز سے اظہار کیا ہے:

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

مرگ ناگہانی کا جواب نہیں۔ موت اچانک ہی نازل ہوجاتی ہے۔ اس سچائی کو بڑی خوب صورتی سے بیت کے سانچے میں ڈھالا ہے، یہ غالب ہی کا اعجاز ہے۔ غالب ایک سچے عاشق رہے، وہ اپنی محبوبہ پر جان چھڑکا کرتے تھے۔ اس کی ایک ایک ادائے معشوقانہ طرازیوں پر تن من دھن نچھاور کرنے کے لیے بے تاب و منتظر رہتے۔ ان کی ہر سانس میں محبت کی خوشبو سی رہتی۔ ہر لمحہ ان کا عاشقانہ و رندانہ رہا۔ ایک عاشق صادق کے ارمان کی انتہا دیکھیے:

سادگی پہ اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے

غالب اس پری پیکر کی سادہ دلی پر جاں نثار کرنے پر کمر بستہ ہیں، یہ معراج عشق نہیں تو اور کیا ہے۔ وہ دنیا کے سارے عاشقوں کے لیے امام عشق بن جاتے ہیں۔ انسانی محبت کی بلندی کہیں اور ملنی محال ہے۔ آگے چل کر وہ اقرار کرتے ہیں، ان کا اقرار نامہ دل آویز ہے:

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

ان کے لیے موت بے وفا ہوتی ہے، وہ ہر ان کی چاہت کا امتحان لیتی ہے اور تعارض نہیں کرتی۔ ایک اور مقام پر غالب کچھ یوں گویا ہوتے ہیں:

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

غالب کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والی صفت سادگی ہے۔ وہ حسن و جمال کے ماسوا سادگی کا دلدادہ ہے۔ وہ اسی ایک خصوصیت پر جان سے گزر جانا چاہتا ہے۔ اسے غرور و تمکنت سے عار ہے۔ غالب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ زندگی کے دکھوں کا علاج دوا میں ہے نہ مسیحائی میں مضمر ہے۔ انھیں تو پناہ موت ہی میں ملے گی:

غم ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

جس طرح چراغ صبح تک جلتا ہے اسی انداز سے زندگی کا سفر بھی موت کی منزل ہی پر ختم ہوتا ہے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اس باب میں زندگی کے غموں کے ازالے کے سب دعوے جھوٹے اور پُرفریب ہیں، وہ سراب کے سوا کچھ نہیں۔ غالب کے افکار میں تہ داری پائی جاتی ہے، وہ حیات و کائنات کی ٹھوس حقیقتوں کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس کا تبحر علم عمیق ہے، اس کی انسانی نفسیات پر گرفت مضبوط ہے، اس کا مشاہدہ گہرا اور تجربہ وسیع تر تھا، اس کی عمرانی علوم سے واقفیت مسلم تھی، وہ نکتہ رس بھی تھا اور نکتہ داں بھی، وہ زندگی کے رموز کا بہترین شارح بھی تھا، اسی لیے وہ ایک جگہ تعلّی سے کام لیتے ہوئے کہتا ہے:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریر خامہ نوائے سروش ہے

غالب کے ہاں سب سے زیادہ اہمیت وفاداری و وابستگی کی ہے، اسے وہ مقدم مانتے ہیں۔ ان کا یہ شہرۂ آفاق شعر ملاحظہ کیجیے اور لطف اٹھائیے:

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

غالب نے وحدت انسانیت کا تصور پیش کیا ہے۔ دیر و حرم کے بُعد کو مٹانے کی سمت ایک مثبت قدم ہے۔ اس پرآشوب دور میں ایسے اعلا و ارفع شہ پاروں کی ضرورت ہے۔ غالب کے اشعار نفرتوں کے اندھیارے میں چراغ ہدایت کا کام انجام دیتے ہیں۔ غالب کے خیالات ہمیشہ درخشاں رہیں گے۔ غالب کے موت یا مرجانے کے بیان میں فرار کا پہلو نہیں ہے، اس میں زندگی کا فلسفہ جھلکتا ہے۔ ہمارے جذباتی نشیب و فراز کا عکس ملتا ہے، حتی المقدور نہیں ملتا۔ روشن زاویہ اجاگر ہوتا ہے۔ شعور و آگہی کی گرہیں کھلتی ہیں۔ خرد کو جلا ملتی ہے زندگی قریب ہوجاتی ہے۔ غالب نے موت کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ایسے رنگا رنگ مضامین شاعری میں روشناس کیے جن پر اس کے بعد کی نسلیں غور و فکر کرتی رہیں گی اور دیر تک سر دھنتی رہیں گی۔ غالب کے پاس اجل یا موت کا تذکرہ مثبت قدر کی شکل میں ابھرتا ہے۔ اسے دیکھ کر من کی آنکھیں کھل جاتی ہیں انسانی سوچ کامل ہوجاتی ہے۔ خیالوں کی کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں۔ عرفان ذات کے دریچے کھل جاتے ہیں، بہت سے مسئلے حل ہوجاتے ہیں۔ غالب کی شاعری کی کینوس ہمہ گیر ہے۔ اس نے بڑی جرأت کے ساتھ موت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

مدیر: اطہر فاروقی — Editor: Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں — Joint Editor: Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر: عبدالباری — Printer, Publisher: Abdul Bari
مطبوعہ ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
Printed at: Samar Offset Printing Press, Delhi
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲ – راؤز ایونیو، نئی دہلی – ۱۱۰۰۰۲
Proprietor: Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue, New Delhi-110002
قیمت (فی شمارہ): تین روپے، سالانہ: ۱۲۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Subscription: (Per Issue) Rs. 3/-, Yearly: 125/-
(Foreign Countries: US $ 8)
http://www.atuh.org. Phones: 23237212, 23237214